اس کا شرعی ثبوت فراہم ہو جائے تو یہاں کی رویت کا وہاں بھی حکم ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی بات حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بیان سے مستفاد ہوتی ہے حضرت علامہ عثمانیؒ اپنی مایۂ ناز تالیف فتح الملہم میں تحریر فرماتے ہیں:

ينبغي ان يعتبر اختلافها ان لزم التفاوت بين البلدتين باكثر من يوم واحد لان النصوص مصرحة بكون الشهر تسعة وعشرين او ثلاثين فلا تقبل الشهادة ولا يعمل بها فيما دون اقل العدد ولا في ازيد من اكثره

(فتح الملہم شرح مسلم ص۱۱۳ جلد ثالث)

مناسب یہ ہے کہ ایسے مقامات کے درمیان اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے جہاں تاریخوں میں ایک دن سے زیادہ کا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ نصوص میں تصریح ہے کہ مہینہ ۲۹ر-۳۰ر دن کا ہوتا ہے (کم نہ زیادہ) تو ایسی جگہ کی شہادت پر عمل نہیں کیا جائے گا جہاں کی شہادت پر عمل کرنے سے ۲۹ر سے کم یا ۳۰ سے زیادہ کا مہینہ بن جاتا ہے۔

یعنی کسی جگہ کی رویت کی بنا پر دوسری ایسی جگہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس سے مہینہ کے دنوں کی منصوص ومقرر تعداد (۲۹-۳۰ دن) میں فرق آجائے کیونکہ اس صورت میں نصوص صریحہ صحیحہ کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حجاز، مصر، شام اور دیگر مشرق وسطی کے ممالک میں رویت ہو جانے کی بنا پر یہاں فیصلہ نہیں کیا جائے گا (چاہے شرعی ثبوت مل جائے) کیونکہ وہاں اور یہاں کی قمری تاریخوں میں کم سے کم ایک دن کا فرق تو ضرور ہوتا ہے اور کبھی کبھی دو دو دن کا بھی ہو جاتا ہے لیکن ہند وپاک کے کسی حصہ میں ایسا ہونا لازمی نہیں ہے اس لئے ان دونوں، ملکوں کے مابین اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہی بات حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے استدلال سے مترشح ہوتی ہے۔ علامہ کشمیریؒ زیلعی کے قول (اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا) کے بارے میں فرماتے ہیں:

لابد من تسليم قول الزيلعي والا فيلزم

زیلعی کا قول تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ورنہ تو لازم

وقوع العید یوم السابع والعشرین او الثامن والعشرین او یوم الحادی والثلاثین او الثانی والثلاثین فان هلال بلاد قسطنطینیة ربما یتقدم علی هلالنا بیومین فاذا صمنا علی هلالنا ثم بلغنا رؤیته هلال بلاد قسطنطینیة یلزم تقدیم العید او یلزم تاخیر العید اذا صام رجل من بلاد قسطنطینیة ثم جاء ناقبل العید ومسئلة هذا الرجل لم اجدها فی کتبنا (العرف الشذی ص۳۰۱)

آئے گا کہ عید ۲۷، ۲۸ اور ۳۱، ۳۲ تاریخ کو بھی پڑ سکتی ہے۔ اسلئے کہ قسطنطنیہ کے شہروں میں ہمارے یہاں سے کبھی کبھی دو دو دن قبل چاند نظر آجاتا ہے۔ دریں صورت ہم اگر اپنے یہاں کے اعتبار سے روزہ رکھنا شروع کریں بعد ازاں وہاں سے کوئی معتبر خبر چاند نظر آجانیکی ہمارے پاس آجائے تو ایک دو دن قبل عید کرنا پڑے گی اور اسی طرح وہاں سے خبر لانے اور روزہ رکھ کر آنیوالے کو ۳۱ یا ۳۲ روزے رکھنا ہوں گے۔ اس آنیوالے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اس کا جواب مجھے فقہ حنفی کی کتابوں میں نہیں ملا۔

دیکھئے علامہ کشمیریؒ، زیلعیؒ کے قول کو ترجیح دینے کی وجہ اس امر کو قرار دے رہے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مہینہ کبھی ۲۸ بلکہ ۲۷ دن کا بھی ماننا پڑ جائیگا۔ اسی طرح اسکے برعکس کبھی ۳۱ اور ۳۲ دن کا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرلینا مشکل نہیں کہ اگر مہینہ کی بہ قطع وبرید اور کمی بیشی نہ ہو تو رویت کا حکم تسلیم کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔[۱]

غالباً اسی اصل کو سامنے رکھتے ہوئے عصر حاضر کے مشہور و ممتاز محقق عالم حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری مدظلہ العالی نے یورپ کے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کو یورپ سے قریب ترین اسلامی ملک الجزائر مراکش میں رویت کے فیصلوں اور وہاں کے ریڈیو کے اعلان پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا (نہ کہ حجاز اور مصر کے ریڈیو کے اعلانات پر عمل کرنے کا) کیونکہ مراکش والجزائر یورپ سے قریب ہیں اسلئے ان ملکوں کے درمیان تاریخ میں ایک دن کا فرق لازمی نہیں (برخلاف مشرق اوسط یا مشرق بعید کے ملکوں اور یورپ کے)۔ ان سب امور کو سامنے رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہی بات "قول فیصل" کا درجہ رکھتی ہے اور عملاً تمام علمائے عصر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اس قول کو اختیار کرنے سے دونوں پہلوؤں (امام نعمان احناف کے قول کے پیروی اور نصوص کا اتباع) کی رعایت بھی ہو جاتی ہے۔

دورِ علوی کا اقتصادی جائزہ

جناب خورشید احمد فارق صاحب۔ پروفیسر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی

علی حیدر کا انتخاب غیر معمولی حالات میں ہوا تھا۔ ان کو نہ عثمان غنی نے خلیفہ مقرر کیا تھا نہ بڑے صحابہ کے کسی انتخابی پینل نے بلکہ ان لوگوں کے ہاتھوں وہ اس عہدہ پر فائز ہوئے جنھوں نے چالیس دن عثمان غنی کی حویلی کا محاصرہ کر کے ان کو قتل کر ڈالا تھا جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے۔ پہلے ابوبکر صدیق اور پھر عمر فاروق کے خلیفہ ہونے پر بطور احتجاج مدینہ کے سیاسی افق پر تین پارٹیاں نمودار ہو گئی تھیں۔ سب سے بڑی اور طاقت ور پارٹی علی حیدر کی تھی، دوسری طلحہ بن عبید اللہ کی اور تیسری زبیر بن عوام کی۔ یہ پارٹیاں اپنے اپنے امیدوار ان خلافت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے خلیفہ اور اس کی حکومت پر نکتہ چینی اور اپنے امیدواروں کے استحقاق خلافت کا پروپیگنڈہ کرتی تھیں۔ دور فاروقی میں اس کاروبار کو اتنا فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ ایک موقع پر عمر فاروق نے منبر نبوی سے صحابہ کو خطاب کر کے کہا: لوگو! لعن طعن سے اجتناب کرو اگر میں مسجد کے دروازے بند کرا کے کہوں کہ کوئی ایسا شخص باہر نہ جائے جو (میری ذات اور میرے کاموں پر) لعن طعن نہ کرتا ہو تو ایک شخص بھی مسجد سے باہر نہ جا سکے گا[1] أيها الناس اياكم والطعن، فلو أمرت بأبواب المسجد فأخذت وقلت لا يخرج أحد يقال فيه لما خرج أحد۔ عثمان غنی کے زمانہ میں نکتہ چینی، خوردہ گیری اور پروپیگنڈے نے بڑی وسعت اور شدت اختیار کر لی تھی۔ اس کے کئی سبب تھے: ابوبکر صدیق کی سادہ اور عمر فاروق کی روکھی زندگی سے عثمان غنی کی زندگی بہت مختلف تھی۔ وہ بڑے مالدار اور

---

[1] نسب قریش ص ۵۲۳

کنبہ پرور آدمی تھے، ان کی اور اُن کے متعلقین کی غذا، لباس اور رہائش کا معیار بلند تھا۔ ان کی پرآسائش نکھری اور دولت سے بھرپور زندگی نیز ان کی کنبہ پروری نے بہت سے دلوں میں جلن پیدا کردی تھی اور وہ ان کے بداندیش ہوگئے تھے۔ عمر فاروق سخت گیر آدمی تھے۔ ان کی نظریں تیکھی رہتی تھیں، وہ ہر بات پر احتساب کرتے تھے اور ایک کوڑے سے جو ہمہ وقت ان کے ہاتھ میں رہتا ہر واقعی یا خیالی کوتاہی پر سزا دیتے تھے۔ اُن کا ایسا رعب تھا کہ یگانے اور بیگانے سب ان سے ڈرتے اور ان کی سزا سے خائف رہتے تھے۔ اس کے برخلاف عثمان غنی نرم مزاج اور عذر پسند واقع ہوئے تھے، وہ نہ ترش رو تھے، نہ تشدد پسند، نہ خوردہ گیر، ان کے ہاتھ میں کوڑا بھی نہیں رہتا تھا۔ انکے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ بعض موقعوں پر غصہ کے عالم میں انھوں نے کسی کو زبان سے سخت وسست کہا یا ہاتھ سے سزا دی تو غصہ اترنے پر اس سے معافی مانگ لی، یا پٹنے والے کے قدموں میں پٹنے کیلئے جا بیٹھے۔ عثمان غنی کی ان صفات نے مخالف پارٹیوں کو بے باک اور گستاخ بنا دیا تھا۔ اور مخالفانہ سرگرمیوں میں دلیر ہوگئی تھیں۔ عمر فاروق ممتاز صحابہ اور خاص طور پر امیدواران خلافت کو مفتوحہ ملکوں اور عرب فوجی مرکزوں میں جا کر اپنی یا تجارت کرنے یا جائداد خریدنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ان کو اندیشہ تھا کہ یہ لوگ وہاں کے عرب اکابر کو ہموار کرکے اپنی یا اپنے کسی امیدوار کی خلافت کے لئے جدوجہد شروع کردیں گے یا عربوں میں اختلاف و افتراق کے بیج بو دیں گے۔ محدث شعبی: عمر فاروق کا جب انتقال ہوا تو لوگ ان کی زندگی سے تنگ آچکے تھے، انھوں نے اکابر قریش کو مدینہ میں محصور کر رکھا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ مدینہ سے باہر قدم نکال سکتا، عمر فاروق کہتے تھے: عرب قوم کی سلامتی اور عافیت کے لئے مجھے کسی بات سے اتنا اندیشہ نہیں جتنا آپ کے باہر جانے سے ہے۔ اگر کوئی مہاجر قریشی باہر جا کر جہاد کرنے کی اجازت مانگتا تو وہ کہتے: تم رسول اللہ کے ساتھ جو جہاد کر چکے ہو وہ تمہاری سرخروئی کیلئے کافی ہے اس وقت جہاد کے مقابلہ میں یہی بہتر ہے کہ نہ تمہیں دنیا دیکھے نہ تم دنیا کو۔ عثمان غنی نے خلیفہ ہو کر مہاجرین قریش کو ڈھیل دے دی اور وہ مفتوحہ ملکوں کو جانے لگے اور وہاں کے باشندے ان کی رواداری کا دم بھرنے لگے[1]

[1] طبری ۵/۱۳۴

لم يمت عمر رضى الله عنه حتى ملته قريش وقد كان حصرهم بالمدينة فامتنع عليهم وقال: إن أخوف ما أخاف على هذه الأمة انتشاركم في البلاد، فإن كان الرجل ليستأذنه في الغزو وهو ممن حبس بالمدينة من المهاجرين فيقول: قد كان لك في غزوك مع رسول الله ما يبلغك وخير لك من الغزو اليوم ألا ترى الدنيا ولا تراك، فلما ولى عثمان خلى عنهم، فاضطربوا في البلاد وانقطع إليهم الناس -

سیف بن عمر: عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عمر فاروق کیطرح اکابر قریش کی باہر جانے کی روک تھام نہیں کی چنانچہ انھوں نے مفتوحہ ملکوں میں آنا جانا شروع کردیا۔ انھوں نے وہاں کی دنیا دیکھی اور مقامی عربوں نے ان کو تو وہ لوگ جنہیں معاشرہ میں وجاہت وعزت حاصل نہ تھی ان اکابر سے وابستہ ہوگئے اور (ان کی خلافت کے لئے جد وجہد کے ارادہ سے) ٹولیاں بنالیں اور اکابر کو خلافت کی امیدیں دلانے لگے اور ان کے لئے کوشش شروع کردی، وہ کہتے: اگر یہ خلیفہ ہوگئے تو ہم ان سے اچھی طرح واقف ہوں گے اور ان کے مقرب بن چکے ہوں گے۔ یہی تھی پہلی کمزوری جو اسلام میں داخل ہوئی اور یہی تھا پہلا فتنہ جس نے مسلمانوں میں سر اٹھایا[1] فلما ولى عثمان لم يأخذهم بالذي كان عمر يأخذهم به، فانساحوا في البلاد، فلما رأوها ورأوا الدنيا ورآهم الناس انقطع (اليهم) من لم يكن له طول ولا مزية في الاسلام فكان مغمورا (في الاصل: مغموما) في الناس وصاروا أوزاعا إليهم وأملوهم وتقدموا في ذلك، فقالوا: يملكون فنكون قد عرفناهم وتقدمنا في التقرب والانقطاع اليهم، فكان أول وهن دخل على الاسلام وأول فتنة كانت في العامة ليس الا ذلك -

عہد عثمانی میں قریش کے جن ممتاز اشخاص نے بیرونی عرب مرکزوں میں جاکر اپنی یا ان امید واران خلافت کے لئے مہم چلائی اور عثمان غنی اور ان کی حکومت کے خلاف پروپگنڈہ کیا، ان میں یہ پانچ خاص شہرت کے مالک ہیں: طلحہ بن عبید اللہ۔ انھوں نے عراق میں کوفہ کے قریب ایک بڑی

[1] - طبری ۵/ ۱۳۴

جائداد حاصل کرلی تھی اور کوفہ میں داد و دہش کے ذریعہ عربوں کو اپنی خلافت کی جد و جہد کے لئے ہموار کرلیا تھا۔ (۲) زبیر بن عوام۔ مدینہ کے باہر ان کے حامیوں کا مرکز بصرہ تھا جہاں انھوں نے دو کوٹھیاں بنوالی تھیں اور مقامی عربوں کو مالی عطیات دے کر اپنی خلافت کے لئے ان کی اخلاقی اور عملی تائید حاصل کرلی تھی۔ (۳) عمار بن یاسر، محمد بن ابی حُذیفہ اور محمد بن ابی بکر۔ ان تینوں کو عثمان غنی سے ذاتی رنجش تھی؛ اس رنجش کے زیر اثر عمار بن یاسر علی حیدر کی خلافت کے سرگرم کارکن بن گئے تھے اور عثمان غنی کو اس منصب سے برطرف کرنا چاہتے تھے۔ محمد بن ابی حُذیفہ عثمان غنی کے پروردہ تھے اور ان سے عہدہ کی فرمائش کرتے تھے۔ عثمان غنی نے محمد کی نا اہلی اور عدم تجربے کے پیش نظر جب عہدہ نہیں دیا تو وہ بگڑ کر مصر چلے گئے۔ محمد بن ابی بکر کی ماں سے جو ابوبکر صدیق کی بیوہ تھیں علی حیدر نے شادی کرلی تھی، محمد کی پرورش بچپن سے علی حیدر کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ ان کی تمنا تھی کہ علی حیدر خلیفہ ہوں اور انہیں شاندار عہدہ دیں۔ ان کے ذمہ ایک بڑا (غالباً مالی) مواخذہ آپڑا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ انکے ساتھ خصوصی رعایت سے کام لے کر مواخذہ ٹالدیں اور جب ایسا نہیں ہوا تو وہ عثمان سے سخت رنجیدہ ہوگئے [1] ان تینوں نے مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا تھا۔ وہاں کے عربوں میں عثمان غنی کی مذمت کرتے اور ان کے اوران کے گورنروں کے خلاف اشتعال پھیلاتے، علی حیدر کے مناقب بیان کرتے اور انکی خلافت کے لئے خاص و عام کی تائید حاصل کرتے۔

عثمانی دور میں مرکزی آمدنی ہر پچھلے دور سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور سرکاری خرچ نسبتاً کم ہوگیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ پڑوس کے تینوں خوش حال ملکوں۔ عراق، شام اور مصر فاروقی دور میں فتح ہوچکے تھے اور وہ بڑے بڑے معرکے ختم ہوچکے تھے جن پر مرکزی خزانہ کو عظیم مصارف کرنا پڑتے تھے اور جن کے بارے میں مرکزی حکومت ہمیشہ کیلئے سبکدوش ہوچکی تھی۔ اس کے علاوہ آمدنی بڑھانے کے لئے فاروقی دور میں جزیہ اور لگان کے ترمیمی ضابطے نافذ کردیئے گئے تھے جن کے ماتحت مفتوحہ علاقوں میں مقیم عرب فوج خود کفیل ہی نہیں ہوگئی تھی بلکہ بہت سارو پیہ اور مال و متاع پابندی کے ساتھ مرکزی خزانہ میں آنے

---

[1] ۔ طبری ۱۳۵/۵ ۔

لگا تھا۔ اس پر مستزاد وہ آمدنی تھی جو عثمانی دور میں خراسان اور شمالی افریقہ میں فوج کشی اور ترکتاز کے نتیجہ میں مرکزی خزانہ کو حاصل ہونے لگی تھی۔ عثمان غنی اس فراوان دولت سے ضرورت مندوں اور کارگذار افسروں کو ان کی حسن خدمت سے خوش ہو کر یا ان کی حوصلہ افزائی کے لئے مالی عطیے دیا کرتے تھے، اس سے وہ اپنے خستہ حال یا اقتصادی دوڑ میں پچھڑے ہوئے رشتہ داروں کی بھی مالی مدد کرتے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح رسول اللہ خمس یا زکات یا خالصہ املاک سے ضرورتمندوں اور اپنے ہاشمی و مطلبی اعزاء کی اعانت اور کارگذار افسروں کی ہمت افزائی کرتے تھے اسی طرح ان کو بھی رسول اللہ کے جانشین کی حیثیت سے سرکاری روپیہ میں اس طرح کے تصرف کا حق ہے۔

بڑھی ہوئی فوجی ضرورت اور محدود آمدنی کے باعث ابوبکر صدیق اور عمر فاروق دونوں ناداروں کی مالی امداد اور کارگذار افسروں کی اعانت کم ہی کرتے تھے اور اگر کرتے تو مقدار عثمان غنی کے عطیات سے کم ہوتی تھی۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے شیخین نے سرکاری روپے سے اپنے رشتہ داروں کو عطیے نہیں دیئے اور اگر کبھی ان پر سرکاری روپیہ صرف کیا بھی تو قرض لے کر کیا جو بعد میں ادا کر دیا گیا۔

یوں تو عثمان غنی کا انتخاب ہوتے ہی مخالف پارٹیوں نے ان پر اور ان کے افسروں پر احتسابی نظریں گڑو دی تھیں اور ان کے اعمال کی کبھی مبالغہ آمیز، کبھی غلط اور کبھی بگڑی ہوئی تعبیر کر کے خاص و عام میں خلیفہ اور ان کے افسروں کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کی مہم چلا دی تھی لیکن مالی معاملات میں عثمان غنی کی فراخ روی اور شیخین کے طریق کار سے انحراف اور دوسری طرف بڑے عہدوں پر اموی عزیز و اقارب کی تقرری نے ان کی مخالفت کی تحریک کو سب سے زیادہ تقویت پہنچائی اور امیدواران خلافت اور ان کی حامی پارٹیوں کے ہاتھ میں پروپگنڈے کا نہایت موثر ہتھیار دے دیا۔ مخالف پروپگنڈہ حقیقت سے اتنا بے پرواہ ہو گیا تھا کہ اگر عثمانؓ غنی ذاتی روپے سے بھی کام کرتے تو مشہور ہو جاتا کہ خزانہ کا روپیہ خرچ کیا گیا ہے۔ اور اگر فوری ضرورت کے وقت بیت المال سے قرض لیکر کسی رشتہ دار کی مدد کرتے تو خبر اڑا دی جاتی کہ سرکاری روپیہ سے کنبہ پروری کی جا رہی ہے لیکن جب عثمان غنی لی ہوئی رقم خزانہ میں لوٹا دیتے تو کوئی اس کا چرچا

نہ کرتا۔ عثمان غنی کے خاندان (بنو امیہ) نیز قریش و انصاری عمائد کی ایک مختصر جماعت کو چھوڑ کر سارا مدینہ ان سے منحرف ہو کر تینوں امیدواران خلافت۔ علی حیدر، طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوّام کا حامی و ناصر ہو گیا تھا۔ تینوں امیدواروں کے کارکنوں نے بیرونی عرب مرکزوں میں خلیفہ اور ان کے عمال کے خلاف فضا مسموم کر دی تھی۔

۳۵ھ میں امیدواران خلافت کے ایما پر بصرہ، کوفہ اور مصر سے ہزار بارہ سو آدمیوں کے جتھے مدینہ آئے۔ ان کی صفوں میں مدینہ کی مخالف جماعتوں کے بہت سے طرفداروں اور غلاموں نے جگہ لے لی۔ انھوں نے عثمان غنی سے مطالبہ کیا کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور جب انھوں نے یہ مطالبہ رد کر دیا تو ان کی حویلی کا محاصرہ کر لیا۔ مصری جتھے کی تعداد چھ سو اور بقول بعض ایک ہزار تھی اور اس کا اثر و رسوخ بھی بصرہ اور کوفہ کے جتھوں سے زیادہ تھا کیوں کہ اس کی قیادت کئی ممتاز صحابی کر رہے تھے جن میں عمار بن یاسر اور علی حیدر کے پروردہ محمد بن ابی بکر پیش پیش تھے۔ یہ گروہ علی حیدر کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ مدینہ کے ہاشمی گھرانے، تھوڑے سے انصاریوں اور مہاجرین کو چھوڑ کر بیشتر انصار جن میں بدری، اور اُحدی صحابہ شامل تھے، علی حیدر کے طرفدار تھے۔ چالیس دن محاصرہ کے بعد محمد بن ابی بکر مصری جتھے کے چند افراد کے ساتھ پڑوس کے ایک انصاری کی چھت سے عثمان غنی کی حویلی میں اتر پڑے اور ان کو قتل کر ڈالا۔ محاصرہ کے دوران باغیوں نے حویلی میں میٹھے پانی، پھل اور ترکاری تک کی سپلائی بند کر دی تھی۔ عثمان غنی اور ان کا سارا کنبہ گھر کے کنوئیں کا کھارا پانی پینے پر مجبور تھے۔ علی حیدر کے کیمپ کے انصار نے عثمان غنی کو اپنے شہر کی مٹی دینے سے بھی انکار کر دیا۔ بہزار مشکل تین دن بعد رات کے اندھیرے میں چند غیر اموی افراد خلیفہ کی لاش جان ہتھیلی پر رکھ کر قریب کے ایک نخلستان لے گئے اور سپرد خاک کر آئے۔

مدینہ میں علی حیدر کی پارٹی طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام کی پارٹیوں سے زیادہ بڑی اور بااثر تھی اور بیرونی جتھوں میں علی حیدر کا حامی جتھا بصرہ اور کوفہ کے جتھوں سے تعداد اور رسوخ میں زیادہ تھا اس لئے دوسری پارٹیاں کمزور پڑ گئیں اور علی حیدر خلیفہ منتخب کر لئے گئے۔ عثمان غنی

کے کچھ عزیز بھاگ کر امیر معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور کچھ نے اپنے آبائی وطن مکہ جا کر پناہ لی تو دس انصاری جو عثمان غنی کے مرہون کرم تھے علی حیدر کی بیعت سے محترز رہے اور چند قریشی اکابر نے جن میں عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص دو ممتاز نام ہیں بیعت کرنے سے انکار کر دیا طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام سے زبردستی بیعت لی گئی[1] بیعت کے بعد طلحہ بن عبیداللہ نے کوفہ کی گورنری مانگی اور زبیر بن عوام نے بصرہ کی لیکن علی حیدر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ یہ دونوں سب سے بڑے عرب مرکزوں کے حاکم ہو کر اور وہاں دولت سے بھرپور خزانوں پر متصرف ہونے کے بعد اپنی خلافت کی خواہش پروان چڑھانے کی کوشش کریں گے۔ طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام نے بزور شمشیر خلافت کے لئے قسمت آزمائی کا عزم صمیم کر کے پہلی فرصت میں مکہ کا رخ کیا۔ اس عزم کی پشت پر وہ عظیم ثروت تھی جس کے یہ دونوں مالک تھے اور وہ بہت سے حمایتی اور ہوا خواہ جو بصرہ اور کوفہ میں ان کی داد و دہش اور ترغیب وتلقین نے پہلے سے تیار کر لئے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر ام المومنین عائشہ مدینہ چلی آ رہی تھیں کہ انہیں راستہ میں عثمان غنی کے قتل اور علی حیدر کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی۔ ان کا دل دونوں کی طرف سے مکدّر تھا اور وہ دونوں کی مذمت کیا کرتی تھیں شخصی شکایتیں اور خاندانی رنجشیں اس کدورت کی ذمہ دار تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ خلافت کے شاندار منصب پر طلحہ بن عبیداللہ فائز ہوں جو ان کے ہم قبیلہ، چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے اور جن سے ہر سال ان کو پانچ ہزار روپے (دس ہزار درہم) کا عطیہ بھی ملتا تھا۔[2] وہ عثمان غنی کی ہمدرد ہو گئیں اور مکہ لوٹ کر باشندگان شہر کو جمع کر کے جوشیلی تقریر میں کہا کہ علی حیدر نے ایک گمراہ اور باغی پارٹی کی مدد سے ایک مرد صالح (عثمان غنی) کو قتل کر کے خلافت پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس ناحق خون کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ ام المومنین کی تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ جلد ہی طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام ام المومنین سے آملے۔ متمول اموی اکابر کی ایک جماعت بھی عثمان غنی کا انتقام لینے اور علی حیدر کی خلافت ناکام

---

[1] طبری ۵/۱۵۳، ۱۵۷۔ [2] ابن سعد ۳/۲۲۱۔

بنا دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان تینوں کے ساتھ ہو گئی۔ جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ اتحادیوں نے بصرہ کو ہیڈ کوارٹر بنانے کا فیصلہ کیا جہاں ان کے بہت سے حمایتی موجود تھے اور جہاں کا خزانہ روپے پیسے سے بھرپور تھا۔ انھوں نے طے کیا کہ علی حیدرؓ سے عثمان غنی کے قاتلوں کو طلب کیا جائے اور اگر وہ یہ مطالبہ رد کر دیں تو اعلان جنگ کر دیا جائے۔ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد علی حیدرؓ نے شام کے طاقت ور گورنر امیر معاویہ کو بیعت کے لئے تاکیدی مراسلہ بھیجا تھا۔ امیر معاویہ نے لکھا کہ میں عثمان غنی کا ولی ہوں اور بحیثیت ولی کے اسوقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک ان کے قتل کا انتقام نہ لے لوں، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے آپ مرحوم خلیفہ کے قاتلوں کو میرے حوالہ کر دیں۔ امیر معاویہ اور اتحادیوں کا یہ مطالبہ ماننا علی حیدرؓ کے بس سے باہر تھا کیوں کہ جن لوگوں کو سزا کے لئے طلب کیا جا رہا تھا انہی کی کوشش اور تعاون سے علی حیدرؓ خلیفہ بننے میں کامیاب ہوئے تھے۔ علی حیدرؓ نے اتحادیوں اور امیر معاویہ کا مطالبہ رد کر دیا، دونوں طرف لڑائی ٹھن گئی[۱]

علی حیدرؓ نے پونے پانچ سال حکومت کی۔ یہ سارا زمانہ عربوں کی باہمی جنگ کا زمانہ ہے۔ اس میں دو ہولناک لڑائیاں ہوئیں۔ ایک جنگ جمل اتحادیوں اور علی حیدرؓ کے درمیان، اس میں طلحہ بن عبید اللہؓ اور زبیرؓ بن عوام کے علاوہ تیرہ ہزار اور بقول بعض بیس ہزار مسلمان مارے گئے، دوسری جنگ صفین علی حیدرؓ اور امیر معاویہ کے درمیان۔ اس میں ستر ہزار جانیں تلف ہوئیں اور وہ گتھی پھر بھی نہ سلجھی جس کے لئے یہ خوں ریزی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ بڑے ٹکڑے پر اوّل اوّل علی حیدرؓ کا راج تھا اور چھوٹے یعنی شام پر امیر معاویہ کا۔ لیکن علی حیدرؓ کی گرفت اپنی قلمرو پر تیزی سے ڈھیلی ہوتی گئی۔ خراساں، فارس اور کرمان کے رئیسوں نے جزیہ اور لگان بند کر دیا، امیر معاویہ مصر پر قابض ہو گئے اور علی حیدرؓ کے دوسرے صوبوں پر ہاتھ ڈالنے لگے۔ علی حیدرؓ کے کیمپ میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے بہت سے فوجی کمانڈر اور قبائلی و مذہبی زعیم۔۔۔ ان کی استبدادی رائے

---

[۱] ۔ مذکورہ بالا تصریحات انساب الاشراف جلد پانچ، تاریخ طبری جلد پانچ، شرح نہج البلاغہ جلد دوم اور اغانی جلد پندرہ سے ماخوذ ہیں۔

...... جنگ کوشی اور تدبر کی جگہ تشدد کی پالیسی سے تنگ آکر جس کے نتیجہ میں ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے تھے اور ہزاروں بیوگی اور یتیمی کے زد میں آگئے تھے۔ ان سے بددل ہوگئے اور امیر معاویہ کے ساتھ ایک دوسری بڑی جنگ کی حیدری دعوت ٹالنے لگے یہاں تک کہ ایک قاتل کی تلوار نے ان کی ناکام خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

علی حیدر کی مالی حالت

ہجرت سے پہلے علی حیدر کی مالی حالت اور معاشی سرگرمیوں سے ہم بے خبر ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں تھا اور وہ اپنے والد ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ کے زیر کفالت زندگی بسر کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب ان کی عمر بائیس تئیس سال سے زیادہ نہ تھی دو ڈھائی برس تک وہ سخت عسرت میں مبتلا رہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انھوں نے فی کھجور ایک ڈول کے حساب سے کسی یہودی کے کنوئیں سے پانی کھینچ کر پیٹ بھرا[1]۔ سنہ ۲ھ میں ان کی شادی رسول اللہ کی صاحبزادی فاطمہ سے طے ہوئی تو وہ بالکل تہی دست تھے۔ ان کے پاس رسول اللہ کی دی ہوئی ایک زرہ بکتر تھی جس کو بیچ کر مہر ادا کیا گیا اور ایک قول ہے کہ مہر میں ایک میلی چادر اور بکری کی کھال کے سوا کچھ نہ تھا[2]۔ سنہ ۲ھ کے اواخر سے جب مدینہ کے یہودیوں کا اخراج شروع ہوا اور ان کا مال و متاع، زر و سیم نخلستان اور زراعتی فارم رسول اللہ کے قبضہ میں آئے اور انھوں نے اپنے نادار رشتہ داروں نیز مہاجرین قریش میں تقسیم کئے تو دوسرے ہاشمیوں کی طرح علی حیدر کی مالی حالت بھی سدھرنے لگی اور اگلے پچیس تیس سال میں ان کی دولت نخلستانوں اور مزروعہ اراضی کی شکل میں اتنی بڑھی کہ وہ خوب مالدار ہوگئے۔ اور اپنے غیر معمولی تمول کا ہجرت کے ابتدائی ڈیڑھ دو سال کی تہی دستی سے مقابلہ کرکے حیرت کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے فوجی کمانڈر محمد بن کعب قرظی کی اس شہادت سے ظاہر ہے۔ میں نے علی حیدر کو کہتے سنا: مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب میں عہد نبوی (یعنی ہجرت کے ابتدائی زمانہ) میں بھوک سے بے تاب ہوکر

[1] کنز العمال ۳/۳۲۱ [2] ابن سعد ۸/۲۱، ۲۳۔

پیٹ سے پتھر باندھے رہتا تھا اور آج (میری دولت مندی کا یہ حال ہے) کہ سالانہ بیس ہزار روپے زکات ادا کرتا ہوں[1]۔ دوسری روایت میں زکات کی مقدار دو لاکھ روپے بتائی گئی ہے۔

علی حیدر کی بیویاں، امہات اولاد اور بچے ہر سابق خلیفہ سے زیادہ تھے۔ انھوں نے آٹھ شادیاں کیں[2]۔ ان کی چہیتی کنیزوں کی تعداد ... سترہ بتائی گئی ہے[3]۔ بچے اکتیس تھے جن میں لڑکیوں کی تعداد سترہ تھی۔ متعلقین کی اتنی بڑی تعداد بھی ان کے تمول کی واضح دلیل ہے۔ کوئی نادار اتنی بیویوں کا مہر اور نان نفقہ، اتنی کنیزوں کا خرچ، اتنے بچوں کی پرورش اور شادی بیاہ کے مصارف ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ازدواجی زندگی میں جن لوگوں نے علی حیدر کو دیکھا تھا وہ بتاتے ہیں کہ ان کا رنگ گہرا سانولا تھا، قد درمیانہ سے کسیقدر کم، آنکھیں بڑی اور بھاری، ڈاڑھی کندھوں تک پھیلی ہوئی، پیٹ بڑا، سر صاف۔ ان کے لباس وطعام کا معیار خاصہ بلند تھا۔ رپورٹر بتاتے ہیں کہ خلافت سے پہلے ایک موقع پر وہ لال رنگ کے دو کپڑوں (ثوبان مُمَصَّران) میں ملبوس تھے[4]۔ انتخاب کے دوسرے دن عام بیعت کے لئے مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو یہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے: تہبند (ازار) کاہی گاؤن (طاق) لُٹسر (خز) کا عمامہ[5]۔ خلافت کے اوائل میں ایک دن وہ اپنے پایۂ تخت کوفہ کے محل سے برآمد ہوئے تو کڑھی ہوئی حاشیہ دار دو لُٹسری چادروں (بُردان قِطرِیان) میں ملبوس تھے، ایک دوسرے موقع پر عمدہ دھاری دار بحرانی چادروں میں (بُردان بحرانیان)، ایک تیسرے موقع پر انہیں زرد رنگ کے تہبند اور کڑھے حاشیے کی سیاہ چادر (خمیصہ سوداء) میں دیکھا گیا[6]۔ انسؓ بن مالک بر سول اللہ کے صحابہ میں عمر فاروق اور ان کے لڑکے عبداللہ کے علاوہ ہر شخص نے خز (لٹسر) کا لباس پہنا[7]۔ انس بن مالک کی اس تصریح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علی حیدر رسول اللہ کی طرح خز اور اسی پایہ کا قیمتی اور خوش وضع کپڑا استعمال کرتے تھے لیکن

---

[1] مسند احمد بن حنبل ۱/۱۵۹، حلیۃ الاولیاء ۱/۸۵-۸۶۔ [2] ابن سعد ۳/۱۹-۲۰

[3] کنزالعمال ۷/۱۱۱ [4] لسان العرب مادہ مصر [5] طبری ۵/۱۵۳ [6] ابن سعد ۳/۲۹

[7] سنن کبریٰ ۳/۲۷۱، ابن سعد ۳/۳۳۰۔

جنگ صفین (۳۷ھ) کے بعد جب علی حیدر کی فوج میں پھوٹ پڑی اور ان کے بیشتر فوجی سالار ان کا حکم ٹالنے لگے اور دوسری طرف تیزی سے ان کی قلمرو سکڑنے لگی اور خلافت کے افق پر ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو ان کا انبساط خاطر انقباض سے بدل گیا اور اس کے زیر اثر ان کا لباس بھی روکھا ہو گیا۔ چنانچہ وہ کبھی دو روپے (چار درہم) قیمت کی ڈھیلی ڈھالی سوتی قمیص (قمیص سُنبلانی[1]) اور ڈھائی روپے کے تہبند میں نظر آتے[2]

زر و سیم اور دوسرے منقولہ سامان کے علاوہ رسول اللہ نے یہودیوں کے املاک سے یہ چار نخلستان مع متعلقہ مزروعہ اراضی علی حیدر کو عطا کئے تھے: فقیران، بئر قیس اور شجرہ[3]۔ ۷ھ میں جب خیبر کا وسیع اور شاداب علاقہ فتح ہوا اور اس کا نصف سے زیادہ حصہ خالصہ ہو گیا تو رسول اللہ نے اس حصہ سے علی حیدر کے لئے سوا پانچ سو من (سو وسق) کھجور اور جو اور ان کی بیوی فاطمہ کے لئے ایک ہزار بچاس من (دو سو وسق) کھجور اور سوا پانچ سو من (سو وسق) گیہوں مقرر کر دیا[4]۔ بیوی فاطمہ کے انتقال کے بعد یہ دونوں حصے علی حیدر کو ملتے رہے۔ علی حیدر اور بیوی فاطمہ کے علاوہ رسول اللہ نے اپنے دونوں نواسوں.... حسن اور حسین کے لئے بھی خیبر کے املاک سے حصے مقرر کر دیئے تھے[5] ان کی مقدار کا ہمارے مراجع میں ذکر نہیں ہے لیکن اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ ہر بھائی کا حصہ سو وسق یا سوا پانچ سو من سے کم نہیں ہوگا۔ عمر فاروق نے علی حیدر کی تالیف قلب اور خلافت سے محرومی پر ان کا غم غلط کرنے کے لئے مدینہ کے مغرب میں ساحل قلزم کے قریب ینبع نامی ایک سرسبز وادی عطا کی تھی[6]۔ ایک خبر یہ تھی کہ علی حیدر نے خود ینبع کی فرمائش کی تھی[7]۔ علی حیدر نے غلاموں اور موالی کی مدد سے ینبع میں کئی نئے

۱۔ ابن سعد ۳/۲۹۔ ۲۔ کنز العمال ۸/۵۵ ۳۔ فتوح البلدان ص۲۰

۴۔ سیرۃ ابن ہشام ص۷۷۵، ابن سعد ۲۷ ۵۔ سیرت ابن ہشام ص۷۷۷۔ بلاذری ص۲۵

۶۔ فتوح البلدان ص۲۰۔

۷۔ سنن کبری ۶/۱۴۴۔

نخلستانوں کا اضافہ کرلیا جن میں عین ابی نیزر اور بغیبغہ سے ہم واقف ہیں۔ ابو نیزر ان کا مولی تھا جس کی زیر نگرانی یہ نخلستان وجود میں آیا تھا۔ انتقال کے وقت رسول اللہ کے قبضہ میں یہ تین خالصہ املاک تھے۔ یثرب سے نکالے ہوئے بنو نضیر یہودیوں کے نخلستان اور فارم، فدک کے نخلستان اور نصف خیبر کے نخلستان اور فارم۔ ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے تو بیوی فاطمہ اور علی حیدر نے ان سے کہا کہ یہ تینوں خالصہ املاک جو رسول اللہ کی میراث ہیں ہمارے حوالہ کر دیجئے[۵۱] ابوبکر صدیق نے ان کا مطالبہ رد کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ نے اپنی زندگی میں تصریح کر دی تھی کہ انبیاء کا ترکہ ان کی اولاد اور متعلقین میں بانٹا نہیں جاتا بلکہ امت کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ لانورث وماترکناہ صدقۃ[۵۲] ابوبکر صدیق نے کہا کہ میں خالصہ املاک سے تم دونوں کی حسب ضرورت مدد کرتا رہوں گا جیسا کہ رسول اللہ کرتے تھے۔ بیوی فاطمہ اور علی حیدر نے نہ تو رسول اللہ کی طرف منسوب قول تسلیم کیا اور نہ ابوبکر صدیق کی پیش کردہ مالی اعانت قبول کی۔ بیوی فاطمہ بری طرح روٹھ گئیں اور ابوبکر صدیق اور ان کے کنبہ والوں سے بول چال چھوڑ دی۔ ان کو رسول اللہ کی متروکہ خالصہ املاک سے محرومی کا اتنا قلق ہوا کہ چھ ماہ بعد جب ان کی عمر چھبیس ستائیس سال سے زیادہ نہ تھی دنیا سے کوچ کر گئیں اور وصیت کر دی کہ ان کے جنازہ کی نماز ابوبکر صدیق نہ پڑھائیں[۵۳] خلافت سے محرومی کے بعد اس دوسری ناکامی نے علی حیدر کی طبیعت سخت منغض کر دی، حکومت کے خلاف ان کے تیور چڑھ گئے اور زبان طعن کھل گئی۔ ان کی طرح رسول اللہ کے چچا عباس بھی خالصہ املاک سے اپنے حصہ کے طلب گار تھے اور یہ دونوں دلیل و برہان، ناراضی و خفگی، سفارش و دباؤ کا سہارا لے کر ان املاک کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عمر فاروق نے اپنی خلافت کے دو سال بعد جب عراق و شام کے فتوحات سے سرکاری آمدنی کے دو عظیم سوتے کھل گئے تو خالصہ املاک کا سب سے چھوٹا حصہ جو بنو نضیر کے سات نخلستانوں پر مشتمل تھا علی حیدر اور عباس بن عبدالمطلب کی مشترکہ نگرانی میں دینا منظور کر لیا اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اس کی آمدنی اسی طرح ٹھکانے لگائیں گے جس طرح رسول اللہ لگاتے تھے لیکن

۵۱۔ فتح الباری ۷/۸۔ ۵۲۔ ابن سعد ۲۰۸/۸ ۵۳۔ ابن ابی الحدید ۳۲۴/۲

اس کا کچھ حصہ خود لیں گے اور کچھ جہادی سرگرمیوں پر صرف کردیں گے لیکن زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ علی حیدر سارے نخلستانوں پر قابض ہوگئے اور ان کی کل آمدنی اپنے صرف میں لانے لگے[۱]

ایک اطلاع یہ ہے کہ ینبع کے علاوہ عمر فاروق نے علی حیدر کو رجہ کرودس بن ہانی نامی جائداد بھی دی تھی۔ یہ تصریح مقریزی نے اپنی خطط میں بغیر اسناد کی ہے[۲]۔ یاقوت نے رجہ کے ذیل میں کئی مقام بیان کئے ہیں لیکن رجہ کرودس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بکری کی معجم سے بھی اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ مدینہ کے باہر علی حیدر کا ایک نخلستان سویقہ نامی بھی تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ علی حیدر نے اسے بھی (ینبع وغیرہ کی طرح) وقف علی الاولاد کردیا تھا۔ رپورٹروں نے مصر میں بھی انکے ایک مکان کی نشان دہی کی ہے۔ نصب الرایہ میں ہے: وتصدق علی بأرضه فی ینبع ودارہ بمصر وبأموالہ بالمدینۃ علی أولادہ۔ علی حیدر نے ینبع کی جائداد، مصر میں واقع ایک مکان اور مدینہ کے نخلستان اپنے بچوں کے لئے وقف کردئے تھے۔ شرح نہج البلاغہ میں وصیت کا جو متن درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جائداد صرف لڑکوں کے لئے وقف تھی۔ بیویاں اور لڑکیاں اس میں داخل نہیں تھیں وصیت کے اہم اجزاء کا ترجمہ حسب ذیل ہے: یہ وصیت ہے عبداللہ علی بن ابی طالب امیرالمومنین کی اپنی جائداد کے بارے میں کہ حسن بن علی اس کے متولی ہوں گے وہ اس کی آمدنی خود بھی مناسب طریقہ پر کھائیں گے اور دوسروں پر بھی صرف کریں گے۔ اگر انہیں حادثہ موت پیش آجائے اور حسین زندہ ہوں تو وہ جائداد کے متولی ہوں گے اور اسی مناسب طریقہ پر اس کی آمدنی خرچ کریں گے جیسا کہ حسن کرتے تھے۔ فاطمہ کے ان دو لڑکوں کا حصہ آمدنی میں اتنا ہوگا جتنا علی کے باقی لڑکوں کا۔ جائداد کے متولی پر لازم ہے کہ نخلستانوں کے درخت نہ کاٹے اور صرف ان کے پھلوں کی آمدنی حسب وصیت خرچ کرے۔ نخلستانوں میں اگنے والی کھجور کی پود بیچنے کا بھی حق متولی کو نہیں ہے الا یہ کہ پود کی کثرت سے نخلستانوں میں نقل وحرکت مشکل ہوجائے۔ میری جن کنیزوں سے لڑکے

۱۔ سنن کبری ۶/۲۹۹-۳۰۱، فتح الباری ۷/۹۰، ابن ابی الحدید ۴/۸۵

۲۔ خطط (مصر) ۲/۵۴۔

ہیں یا ہونے والے ہیں وہ انہی لڑکوں کے ہاتھ بیچ دی جائیں گی اور ان کی قیمت لڑکوں کو میرے ترکہ سے ملنے والے حصوں میں محسوب کرلی جائے گی[1] ھذا ما امر بہ عبد اللہ علی بن ابی طالب أمیر المؤمنین فی مالہ، فإنہ یقوم بذلک الحسن بن علی یأکل منہ بالمعروف فإن حدث بحسن حدث وحسین حی قام بالأمر بعدہ وأصدرہ مصدرہ وإن لابنی[2] فاطمة من صدقة علی مثل الذی لبنی علی ویشترط علی الذی یجعلہ إلیہ أن یترک المال علی أصولہ وینفق من ثمرہ حیث أمر بہ وھدی لہ وأن لا یبیع من أولاد النخیل ودیة حتی یشکل أرضھا غراساً ومن کان من إمائی اللاتی أطوف علیھن لھا ولد أوھی حامل فتمسک علی ولدھا وھی من حظہ۔

علی حیدر کو ڈھائی ہزار روپے سالانہ گریڈ اوّل کی تنخواہ ملتی تھی جو عمر فاروق نے مجاہدین بدر کے لئے مقرر کی تھی اور ان کی نیز اہل بیت کی تالیف قلب کے لئے یہی تنخواہ ان کے دونوں صاحبزادوں حسن اور حسین کو بھی دی تھی جو ہنوز نابالغ تھے جب کہ دوسرے بدری مجاہدین کے لڑکوں کی تنخواہ ہزار روپے سالانہ تھی[3] عثمانی خلافت میں علی حیدر کی آمدنی صرف نخلستانوں اور زراعتی پیداوار سے پچاس ہزار روپے سالانہ تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ اُنکے پڑپوتے ابوجعفر امام باقر کی اس تصریح سے ظاہر ہے: ما قتل ابن عفان حتی بلغت غلتہ علی مئة ألف[4] محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ ایک بار علی حیدر نے جب وہ خلیفہ تھے اپنے موجودہ تمول کا..... جنگ بدر سے پہلے کی ناداری سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا: ایک وہ زمانہ تھا جب عہد نبوی (یعنی ہجرت کے ابتدائی زمانہ) میں بھوک سے بیتاب ہوکر پیٹ سے پتھر باندھے رہتا تھا اور ایک زمانہ یہ ہے جب میری دولت کی زکاۃ بیس ہزار روپے (چالیس ہزار درہم) ہے[5] اس روایت کے بعض ناقلوں کی رائے ہے کہ علی حیدر نے

---

[1] ابن ابی الحدید ۳/۴۳۲-۴۳۳۔ [2] فی الأصل: لبنی۔ [3] بلاذری ص۴۵۵

[4] قرشی ص۵۳

[5] احمد بن حنبل ۱/۱۵۹، حلیة الاولیاء ۱/۸۵-۸۶

زکات کی مقدار دو لاکھ روپے (چالیس ہزار دینار) بتائی تھی۔ بظاہر یہ ساری زکات علی حیدر کے نخلستانوں کی پیداوار سے نکلتی تھی جو حجاز میں واقع تھے اور جہاں آبپاشی کنوؤں سے ہونیکے باعث زکات کی شرح پانچ فیصدی تھی۔ اگر علی حیدر کی زکات بیس ہزار روپے قرار دی جائے جیساکہ پہلی روایت میں تصریح ہے اور دو لاکھ روپے والا قول نظرانداز کر دیا جائے تو پانچ فی صد شرح زکات کے حساب سے ان کی سالانہ آمدنی چار لاکھ روپے اور ماہانہ تینتیس ہزار روپے ہوتی ہے۔

علی حیدر کے اخراجات بھی وسیع تھے۔ متعدد بیویاں، سترہ سراری، خدمتگار، غلام اور کنیزیں نیز ڈھائی درجن بچے جن میں سترہ لڑکیاں تھیں، علی حیدر ان سب کے کفیل تھے۔ نخلستانوں یا فارموں، خیبر سے رسول اللہ کے عطاکردہ ہزاروں من کھجور اور غلے کے حصوں، تنخواہ نیز غنیمت کے سہام کے علاوہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے علی حیدر یا ان کے لڑکوں کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی خاندانی وجاہت کے شایان شان شادی بیاہ کے مصارف اور مہر کی رقمیں ان کی آمدنی کا بڑا حصہ ہضم کرلیتی تھیں۔ ان کے بڑے صاحبزادے حسن خاص طور پر خراج اور شوقین مزاج تھے۔ اچھی غذا، اچھا لباس اور شادی بیاہ سے ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ علی حیدر ان کو مطلاق (کثیر الطلاق) اور صاحب الجفنہ والخوان کہتے تھے[۱] وہ آئے دن شادیاں کرتے اور آئے دن طلاق دیتے۔ ان کی کل شادیوں کی تعداد علی اقل التقدیر ستر[۲] بتائی جاتی ہے۔ اور یہ سب علی حیدر کی زندگی میں منعقد ہوئی تھیں۔ روز روز کی شادی اور مہر نیز بعد از طلاق عطیات (متعہ)، کا علی حیدر کی آمدنی پر بھاری بوجھ تھا۔ رپورٹر بتلاتے ہیں کہ صاحبزادہ حسن نے ایک موقع پر مہر میں سو کنیزیں اور پچاس ہزار روپے دیئے تھے اور ایک دوسرے موقع پر دو مطلقہ عورتوں کو پانچ پانچ ہزار روپے اور ایک ایک مشکیزہ شہد بعد از طلاق عطیہ (متعہ) کے

---

[۱] ابن عساکر ۴/۳۲۲، ابن ابی الحدید ۴/۴۔

[۲] ابن عساکر ۴/۲۱۴، ابن ابی الحدید ۴/۸، دیار بکری ۲/۲۹۰

طور پر بھیجا تھا۔[۱]

علی حیدر نے خلافت کے مروجہ مالی نظام میں جو تصرفات کئے وہ ہماری معلومات کی حد تک حسب ذیل ہیں :

(۱) ابوبکر صدیق کو اپنی سوا دو سالہ خلافت میں دو بار اہل مدینہ میں سرکاری روپیہ تقسیم کرنے کا موقع ملا تھا اور انھوں نے ہر مرد، عورت، آزاد اور غلام کو مساوی حصہ دیا تھا۔[۲] اور ایک قول یہ ہے کہ صحابہ اور صحابیات میں مساویانہ تقسیم کے بعد جو روپیہ بچ رہا تھا اسے غلاموں میں بانٹ دیا تھا۔[۳] عمر فاروق تقسیم میں مساوات کے خلاف تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ غلاموں کو کچھ نہ دیا جائے اور مسلمانوں کا حصہ ان کے رتبہ اور خدمت کے لحاظ سے کم وبیش مقرر کیا جائے۔ ابوبکر صدیق کی رائے تھی کہ اسلامی خدمات کی جزاء خدا کے ہاتھ ہے مالی معاملات میں یہی مناسب ہے کہ سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ کیا جائے۔ عمر فاروق اپنے موقف سے نہیں ہٹے اور خلیفہ ہو کر انھوں نے دیوان العطاء قائم کیا تو غلاموں کو تنخواہ نہیں دی اور مسلمانوں کی تنخواہ ان کے سماجی رتبہ اور جہادی خدمات کے لحاظ سے مقرر کی۔ اسی طرح جب وہ سرکاری روپیہ مدینہ کے آزاد لوگوں میں تقسیم کرتے تب بھی فرق مراتب ملحوظ رکھ کر کسیکو کم دیتے تھے کسی کو زیادہ۔ عثمان غنی نے اپنے عہد میں فاروقی سنت پر عمل کیا لیکن علی حیدر کا طریق کار اپنے تینوں پیشروں سے مختلف تھا۔ انھوں نے نہ تو غلاموں کو کچھ دیا نہ مسلمانوں کے درمیان فرق مراتب قائم رکھا۔[۴] انھوں نے عمر فاروق کے دیوان العطاء کی درجہ بندی تو برقرار رکھی لیکن نئی تنخواہیں مقرر کرنے میں فرق مراتب کا اصول ترک کر دیا۔ اسی طرح وہ اس روپیہ پیسہ اور مال ومتاع کی تقسیم میں بھی مساوات سے کام لیتے جو غنیمت کی راہ سے آتا یا تنخواہیں دینے کے بعد بچ رہتا تھا۔ اس مساوات کا غیر عرب مسلمانوں یعنی موالی پر جنہیں عربوں کے مقابلہ میں اب تک نصف حصہ ملتا رہا تھا، بہت اچھا اثر پڑا۔ انکے دلوں

۱۔ ابن عساکر ۲۱۶/۴ ۲۔ ابن سعد ۱۹۳/۳ ۳۔ بیہقی ۶/ ۳۵۰۔

۴۔ شافعی ۷۲/۴، بیہقی ۹۳/۴ و ۶/ ۳۴۲، یعقوبی ۱۸۳/۲، مسعودی ۳۶۲/۳۔